محبوب خداؐ کے اوصاف مبارکہ

مولانا ابوالکلام آزاد

حلیہ مبارک

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قامت اور موزوں اندام تھے۔آپ کی بناوٹ بدرجہ غایت خوبصورت تھی۔ رنگ چمکتا ہوا سرخی مائل، سفید، نہ زیادہ سفید نہ زیادہ گندم گوں، پیشانی، چوڑی، اَبرو پیوستہ، بینی مبارک مائل بہ درازی تھی، چہرہ اقدس کھڑا کھڑا تھا یعنی زیادہ پر گوشت نہ تھا۔ساتھ ہی بہت خوبصورت تھا۔دہانہ کشادہ، دندان مبارک ملے ہوئے نہ تھے۔گردن لمبی، سر بڑا، سینہ کشادہ جس پر ناف مبارک تک بالوں کی ہلکی سی لکیر تھی، سر کے بال نہ زیادہ گھنگریالے تھے اور نہ زیادہ سیدھے۔ریشِ مبارک گھنی تھی، آنکھیں سیاہ اور سرگیں، پلکیں بڑی بڑی، شانے پر گوشت، مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں، شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ہتھیلیاں پر گوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی، ایڑیاں نازک اور ہلکی، تلوے بیچ سے اتنے خالی تھے کہ ان کے نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔

جب آپ خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک میں ایک خاص چمک دمک پیدا ہو جاتی، معلوم ہوتا تھا وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔اور صحابہ کرامؓ چہرہ دیکھتے ہی آپ کی خوشی کا اندازہ کر لیتے تھے، پسینے میں ایک خاص خوشبو تھی۔جب پسینہ آتا تو معلوم ہوتا کہ چہرۂ مبارک پر موتی لڑھک رہے ہیں۔حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ریشم اور دیباج کو نہیں چھوا جو رسول اللہ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے بہتر ہو۔

ربیع بنت معوذؓ نے عمار بن یاسر کے پوتے سے کہا کہ تو رسول اللہ کو دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ سورج نکل آیا ہے۔

جابر بن سمرہ ﷺ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ چاندنی رات تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سرخ حلہ (جوڑا) اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، میں کبھی چاند کو دیکھتا، کبھی آپ کو، آخر میں نے یہی سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔واضح رہے یہ ان مقدس ہستیوں کے بیانات ہیں جو صداقت وراست بازی کے پیکر تھے۔

لباس:

عام لباس چادر قمیص اور ہمدرد تھا۔پاجامہ کبھی استعمال نہ فرمایا، موزے پہننے کی عادت نہ تھی۔ایک مرتبہ نجاشی شاہِ حبش نے سیاہ موزے تحفۃً بھیجے تھے جو بظاہر چرمی تھے۔انہیں آپ نے استعمال فرمایا۔عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا

اس کے نیچے سر سے ملی ہوئی ٹوپی پہنتے۔ عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر اور کبھی دو شانوں کے درمیان رہتا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی عمدہ لباس بھی زیب تن فرمایا۔ یقیناً اس وجہ سے کہ ہدیۃً آیا اور پہن لیا تا کہ عمدہ لباس کے جواز میں کوئی شبہ نہ رہے۔ تاہم طبع مبارک دنیوی آرائش کے سامانوں سے اجتناب کی طرف مائل تھی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ کا لباس کبھی تہہ کر کے نہ رکھا گیا۔ یعنی ایک ہی جوڑا ہوتا جسے دھو دھو کر پہنتے رہتے۔ ایک سے زیادہ جوڑے ہوتے تو انہیں تہہ کرنے کی نوبت آتی۔

آپ کا ارشاد ہے کہ فرزند آدم کو ان چند چیزوں کے سوا کسی کا حق نہیں۔ رہنے کے لیے گھر، پہننے کے لیے کپڑا، اور شکم سیری کے لیے روکھی روٹی اور پانی۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ بایں ہمہ نظافت پسندی کی یہ کیفیت تھی کہ طبع اقدس کو گوارہ نہ تھا کہ کوئی میلا لباس پہنے۔ کپڑا اعلیٰ درجے کا ہو یا معمولی درجے کا تاہم اسے پاک صاف رکھنا مشکل نہیں تا کہ مجلس میں بیٹھنا کسی کے لئے ناخوشگواری کا باعث نہ ہو۔

غذا :

زُہد و ایثار کے باعث آپ نے کبھی پر تکلف اور لذیذ کھانا نہ کھایا۔ البتہ چند چیزیں آپ کو لذیذ تھی۔ مثلاً سرکہ، شہد، حلوہ اور روغن زیتون۔ کدو کو بہت پسند فرماتے تھے۔ گھی اور پنیر میں کھجور ڈال کر ایک کھانا پکایا جاتا تھا جسے ''حیس'' کہتے تھے، یہ بھی آپ کو مرغوب تھا۔

آپ نے دنبے، مُرغ، بٹیر، بکری، بھیڑ، اونٹ، گورخر، خرگوش اور مچھلی کا گوشت تناول فرمایا۔ دست کا گوشت اس وجہ سے پسند تھا کہ جلد گل جاتا تھا۔ ٹھنڈا پانی بھی مرغوب تھا۔ بعض اوقات، کشمش، کھجور یا انگور پانی میں بھگو دیتے اور وہ پانی نوش فرماتے۔ ٹڈی ککڑیاں بھی کھائیں جو تحفہ کے طور پر آپ کے پاس آئی تھیں۔

کھانا کوئی بھی ہوتا، اس پر ناپسندیدگی کا اظہار نہ فرماتے۔ اگر کوئی شے مرغوب نہ ہوتی تو اسے تناول نہ فرماتے۔ میز پر کھانا ثابت نہیں۔ اہلِ عجم میں خوان پر کھانے کا دستور تھا۔ اسے بھی ایک قسم کی میز ہی سمجھنا چاہیئے جو زمین سے ذرا اونچی ہوتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے بھی فخر امتیاز کی علامت سمجھ کر پسند نہ فرمایا۔ کھانا، دستِ راست کی تین انگلیوں سے نوش فرماتے۔ گوشت چھری سے کاٹ کر کھانا بھی ثابت ہے۔

بُو دار چیزوں مثلاً پیاز، لہسن اور مولی سے نفرت تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جو شخص لہسن پیاز کھائے، وہ ہمارے پاس یا ہماری مسجد میں نہ آئے۔

مولانا شبلی مرحوم نے مسلم، نسائی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے زمانہ خلافت میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ تم لوگ لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آجاتے ہو۔ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا یہ چیزیں کھا کر آنے والے کے متعلق حکم دیتے تھے کہ اسے مسجد سے نکال کر بقیع پہنچا دیا جائے۔

پسند و ناپسند سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہاں اکثر فاقہ رہتا۔ جامع ترمذی کا بیان ہے۔ آپ اور آپ کے اہل و عیال مسلسل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیونکہ رات کو کھانا میسر نہیں آتا تھا۔ پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی ۔ پانی اور کھجوروں پر گزارہ ہوتا تھا۔ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تو وہ پی لیتے۔ کبھی دودھ خالص نوش فرماتے کبھی اس میں پانی ملا لیتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مدینہ منورہ میں قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہ کائی۔

گفتگو:

گفتگو نہایت شیریں اور دل آویز تھی۔ بہت ٹھہر ٹھہر کر بات فرماتے، ایک ایک فقرہ الگ الگ ہوتا۔ معمول تھا کہ ایک ایک بات تین تین دفعہ فرماتے جس بات پر زور دینا منظور ہوتا، اس کا اعادہ بار بار فرماتے۔

حالت گفتگو میں اکثر نگاہ آسمان کی طرف رہتی۔ آواز بلند تھی۔ بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے' ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے۔ کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتھیلی کا رُخ پلٹ دیتے۔ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے۔ مسرّت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں۔ ہنستے بہت کم تھے۔ ہنسی آتی تو مسکرا دیتے تھے یہی آپ کی ہنسی تھی۔ آپ کبھی اس زور سے نہ ہنستے کہ ڈاڑھ کے دانت نظر آئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر ارشاد ہر حال میں محفوظ ہونا چاہیئے تھا اس لیے کہ ہر ارشاد اجزائے دین میں سے تھا۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ارشادات اس وجہ سے بھی محفوظ کر لینے میں سہولت ہوئی کہ آپ کا انداز گفتار حفظ کے لیے بطور خاص ساز گار تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود جس طرح یہ تھا کہ سننے والے فائدہ اٹھائیں۔ اسی طرح یہ بھی تھا کہ حاضرین جو کچھ سنیں غائبین کے لیے جن میں آنے والی نسلیں بھی شامل تھیں محفوظ کر لیں۔ کلام میں آورد قطعاً معلوم نہیں ہوتی تھی اور اس کے زور و تاثیر و نفوذ کا یہ عالم تھا کہ جاہل مخالفین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی گہرائی اور جاذبیّت کی کوئی اور توجیہہ نہ کر سکتے تو کہہ دیتے کہ یہ تو سحر اور جادو ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے تین حصے کر لیئے تھے۔ ایک عبادت الٰہیہ کے لیئے' دوسرا عام خلق کے لیئے' تیسرا اپنی ذات کے لئے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو حصہ عام خلق کے لیے تھا، وہ بھی عین عبادتِ الٰہی تھا اور جو حصہ ذات کے لیے تھا وہ غالباً سب سے کم تھا اسے بھی عبادتِ الٰہی ہی سمجھنا چاہیئے۔ اس لیے کہ اس سے بھی یہی دکھانا مقصود تھا کہ خدا کے نیک بندوں کا طریق زندگی کیا ہونا چاہیئے اور اسے کیونکر پورا کیا جا سکتا ہے۔

عادت شریفہ یہ تھی کہ صبح کی نماز سے فارغ ہوجاتے تو مسجد ہی میں تشریف رکھتے' وہیں لوگ پاس آبیٹھتے۔ اس مجلس میں مواعظ و نصائح بھی فرماتے، لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بھی کی جاتی۔ حضور اکرم اپنا کوئی خواب بھی سناتے۔ ہنسی خوشی کی باتیں بھی ہوتیں، شعر بھی پڑھے جاتے۔ کچھ دن چڑھ آتا تو چاشت کی چار یا آٹھ رکعتیں پڑھ کر پھر خانہ مبارک میں تشریف لے جاتے۔ وہاں پہنچ کر کوئی کپڑا اپھٹا ہوتا تو سی لیتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو گانٹھ لیتے، بکری کو دوہ لیتے، خادم کو اسکے کام میں مدد دیتے، بازار سے ضروری چیز خود جا کر خرید لاتے۔

ہر ادنیٰ و اعلیٰ، چھوٹے اور بزرگ کو سلام میں پہل فرماتے۔ بڑے چھوٹے اور غلام و آقا میں کوئی فرق نہ تھا۔ کوئی معمولی سا فرد بھی دعوت کرتا تو خوشی سے منظور فرما لیتے اور جو کھانا سامنے آتا، کھا لیتے، خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ آٹا گوندھنے میں اسے مدد دیتے۔ گھر کی صفائی بہ نفسِ نفیس کرتے۔

نمازِ عصر کے بعد تھوڑے تھوڑے وقت کے لیے تمام ازواجِ مطہرات کے پاس جاتے۔ پھر جس کے ہاں رات ٹھہرنے کی باری ہوتی، وہاں تشریف لے جاتے۔ تمام ازواج وہیں جمع ہوجاتیں۔ عشاء تک یہ صحبت رہتی۔ نمازِ عشاء کے بعد استراحت فرماتے' ازواج رخصت ہوجاتیں۔ نمازِ عشاء کے بعد بات چیت پسند نہیں فرماتے تھے۔

خوابِ استراحت:

استراحت سے پہلے معمول تھا کہ قرآن مجید کی کوئی سورت ضرور پڑھتے، پھر یہ الفاظ فرماتے:

''اے اللہ! تیرا نام لے کر مرتا ہوں اور تیرا نام لے کر زندہ ہوتا ہوں''

گویا خواب کو موت کے مشابہ قرار دیا۔ بیدار ہوتے تو فرماتے:

''حمد و سپاس اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ کیا (یعنی پہلے سلایا' پھر جگایا) اور موت کے بعد زندہ ہو کر سب کو اسی طرف جانا ہے''۔

کبھی معمولی بستر پر سو جاتے، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی پر اور کبھی زمین پر آرام فرماتے۔ معمول یہ تھا کہ داہنی کروٹ سوتے اور دایاں ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے۔ ابتداء میں اتنی نمازیں پڑھیں کہ پائے مبارک پر ورم آگیا۔ اس وقت تک کے لیے قیام لیل فرض تھا۔ جب یہ قیام محض نفل رہ گیا تو آپ شب میں گیارہ رکعتیں پڑھتے۔ آٹھ مسلسل اور ان میں سے صرف آخر میں قعدہ کرتے۔ پھر ایک اور رکعت پڑھ کر بیٹھتے' آخر میں دو رکعت پڑھ لیتے۔ عمر زیادہ ہوگئی تو ان میں سے دو رکعتیں کم کر دی تھیں۔

ابوداود میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ نمازِ عشاء کے بعد گھر آکر چار رکعتیں پڑھتے اور سو جاتے۔ مسواک نیز وضو کے لیے پانی رکھ دیا جاتا۔ شب میں اٹھتے تو مسواک کے بعد وضو کرتے، پھر نماز ادا فرماتے۔

خطبہ مبارکہ:

جمعہ کے روز معمول یہ تھا کہ لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تو آپ تشریف لاتے، لوگوں کو سلام کرتے، منبر پر جا کر حاضرین کی طرف متوجہ ہوتے تو پھر سلام کہتے۔ اذان کے بعد خطبہ شروع کر دیتے جو بہت مختصر اور جامع ہوتا اور اس کی ابتدا ہمیشہ حمد وثناء سے ہوتی۔ فرماتے: نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقّہ کی دلیل ہے۔ جب تک مسجد میں منبر نہیں بنا تھا عصا ہاتھ میں رہتا۔ منبر بن گیا تو عصا کی ضرورت نہ رہی۔ میدانِ جہاد میں خطبہ دیتے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو جاتے۔ خدا جانے یہ خیال کہاں سے پیدا کیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلوار ہاتھ میں لے کر خطبہ دیا کرتے تھے......؟ حافظ ابن قیم نے بہت صحیح فرمایا کہ یہ جاہلوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلوار لے کر منبر پر کھڑے ہوتے چنانچہ بعض مساجد میں تلوار ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا معاذ اللہ سنت سمجھا جاتا تھا حالانکہ یہ بالکل بے اصل ہے۔

سفر:

آپ کو زیادہ تر حج وعمرہ اور جہاد کے سفروں کی ضرورت پیش آتی رہی۔ جمعرات کو سفر پسند تھا۔ ہمیشہ تڑکے روانہ ہوتے۔ سواری سامنے آتی تو بسم اللہ کہہ کر قدم مبارک رکاب میں رکھتے' سوار ہو کر تین مرتبہ تکبیر کہتے' پھر یہ آیت پڑھتے:

> ''پاک ہے وہ ذات جس نے سواری کو ہمارا فرمانبردار بنایا، حالانکہ خود ہم میں اسے مطیع رکھنے کی طاقت نہ تھی اور ہم اپنے خدا کی طرف پلٹنے والے ہیں''۔ (زخرف ۱۳،۱۴)

پھر دُعا مانگتے:

> ''خداوندا! اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی، پرہیزگاری اور ایسے عمل کی درخواست کرتے ہیں جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو، خداوند! ہمارے اس سفر کو آسان کر اور اس کی مسافت طے کرا دے، خداوندا! سفر میں صرف تو رفیق ہے۔ اہل وعیال کے لیے تو قائم مقام ہے۔ خداوند! میں سفر واپسی کے آلام وشدائد اور گھر بار کے مناظر قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں''۔

جس بستی میں پہنچتے یا جس منزل پر اترتے تو دُعا فرماتے، واپسی پر پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرتے پھر گھر تشریف لے جاتے۔

جہاد:

پوری قوم کو مخاطب کر کے فرماتے: ''خدا کے نام پر خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو اللہ کے نافرمان ہیں لیکن خیانت اور بدعہدی نہ کرو۔ مقتولوں کے ناک، کان نہ کاٹے جائیں جس کا عرب میں دستور تھا۔ نہ بچوں کو قتل کیا جائے۔''

فوج رخصت ہوتی تو فرماتے: ''میں تمہارے فرض کو، تمہاری امانت کو اور نتائج اعمال کو خدا کے سپرد کرتا ہوں''۔

دشمن پر رات کے وقت حملہ نہ کرتے۔ اگر صبح کے وقت حملے کا اتفاق نہ ہوتا تو دوپہر ڈھلے حملہ کرتے۔ مقامِ فتح پر انتظامات کے لیے کم از کم تین روز قیام فرماتے۔ فتح کی خبر سنتے ہی سجدۂ شکر ادا کرتے۔ خود شریکِ جنگ ہوتے تو یہ دعا کرتے: ''خداوندا! تو میرا دست و بازو ہے تو میرا مددگار ہے تیرے سہارے میں مدافعت کرتا ہوں تیرے سہارے حملہ کرتا ہوں، تیرے سہارے لڑتا ہوں''۔

عیادت و تعزیت :

بیماروں کی عیادت بھی آپ کا معمول تھا۔ ہر بیمار کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے، تسلی دیتے اور دعائے شفا فرماتے۔ کسی کی موت کا وقت قریب آجاتا تو اطلاع ملتے ہی جا کر اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے۔ کسی کے مرنے کی اطلاع پاتے تو جا کر نماز جنازہ میں شریک ہوتے۔ آخر عمر میں تکلیف کے خیال سے آپ کو کسی کی حالت نزع کے وقت اطلاع نہیں دیجاتی تھی۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کے بھائی اُحد میں شہید ہو گئے تھے، اُن کی والدہ زندہ تھیں، حضورِ اکرم ان کے پاس جا کر جگر بند کی تعزیت فرمانا چاہتے تھے لیکن سعدؓ آپ کی تکلیف کے خیال سے خود والدہ ماجدہ کو آپ کے پاس لے آئے اور آپ نے دلسوزی سے تعزیت فرمائی۔

ملاقات :

کسی سے ملاقات ہوتی تو معمولِ مبارک یہ تھا کہ اس سے پہلے سلام کر کے مصافحہ فرماتے۔ کوئی شخص کان میں بات کہنا چاہتا تو جب تک بات پوری نہ ہو جاتی آپ رُخ نہ پھیرتے مصافحہ میں جب تک فریقِ ثانی ہاتھ نہ چھوڑتا، اپنا دستِ مبارک نہ کھینچتے۔ مجلس میں بیٹھے ہوتے تو زانوئے مبارک ہمنشینوں سے آگے نہ ہوتے۔ دستور یہ تھا کہ جو شخص ملاقات کے لیے آتا، وہ پہلے ''السّلام علیکم'' کہتا، پھر حاضری کی اجازت طلب کرتا۔ جس کسی سے اس دستور کی خلاف ورزی ہوتی تو فرماتے اسے اجازت طلبی کا طریقہ سکھادو۔

............☆☆☆............

موجودہ فکری قیادت کا تحفہ

نئی فکری قیادت نے جو افراد دنیا کو عطا کیے ہیں وہ ایمان و یقین سے خالی، ضمیر انسانی سے محروم، حاسۂ اخلاقی سے محروم، محبت اور خلوص کے مفہوم سے نا آشنا، انسانیت کے شرف و احترام سے غافل ہیں وہ یا تو لذت و عزت کے فلسفے سے واقف ہیں یا صرف قوم پرستی اور وطن دوستی کے مفہوم سے آشنا ہیں، اس نوعیت اور صلاحیت کے افراد خواہ جمہوری نظام کے سربراہ ہوں یا اشتراکی نظام کے ذمے دار کبھی کوئی صالح معاشرہ، پرامن ماحول اور خدا ترس و پاک باز سوسائٹی قائم نہیں کر سکے۔ اور ان پر خدا کی مخلوق اور انسانی کنبے کی قسمت کے بارے میں کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (مولانا ابوالحسن علی ندویؒ).................. مراسلہ ابو امیمہ